ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
etitor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.3,Issue No.4(2021)
(July to September)

زاہد علی واسطی کی خود نوشت "بیتی یادیں" کے فکری و تخلیقی رجحانات

The intellectual and creative tendencies of Zahid Ali Wasti's autobiography"Past Memories"

ڈاکٹر سائرہ ارشاد
لیکچرر، شعبہ اردو، گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونیورسٹی بہاول پور
سندس اسلم
ایم ایس ریسرچ سکالر، شعبہ اردو، گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونیورسٹی بہاول پور

Abstract:

It is a genre of biographical prose literature in which the biographer presents the circumstances and events of his life, experiences and feelings to the reader. The Bahawalpur region has a special identity in science, literature and mysticism. Munshi Daulat Rai, Mirza Akhtar, Munshi Muhammad Anwar Feroze, Maulvi Muhammad Hafeez-ur-Rehman Hafeez, Noor Muhammad Maharvi and Nawab Muhammad Sadiq Khan Abbasi are among the earliest writers of this land. Zahid Ali Wasti, Masood Hassan Shehab, Asad The names of Ali Ahmed, Mehr Mohammad Bakhsh Novl and Idrees Ahmad Aftab are importantAre Zahid Ali Wasti has beautifully told the story of his life in his past. "Past Memories" meets the standard of a complete autobiography. It would not be out of place to call it the best autobiography of modern times.

Keywords: Memories of the past, Bahawalpur region, the world of color and smell, key bearers, migration, feudal system, dialogue style, environment and society.

"آپ بیتی" نثری ادب کی ایسی صنف ہے کہ جس میں آپ بیتی نگار اپنی زندگی کے حالات و واقعات اور پوشیدہ تجربات واحساسات کو قاری کے سامنے پیش کرتا ہے۔ لکھنے والا اپنی داخلی و خارجی کیفیات بیان کرتا ہے۔ سفر نامہ، رپورتاژ، روزنامچہ اور مکتوب میں آپ بیتی کی جھلک ملتی ہے۔ اُردو ادب میں آپ بیتی کو ۱۸۵۷ء کی جنگ کے بعد فروغ حاصل ہوا۔ اُردو کے اہم آپ بیتی نگاروں میں ظہیر دہلوی، حسرت موہانی اور مولانا ابوالکلام آزاد شامل ہیں۔:

> "خود نوشت سوانح حیات وہ کتاب ہے جس کے اوراق میں انسانی حیات مستعار کے مختلف ادوار کو بلا کی تکلف اور تصنع کے دوسروں کے سامنے پیش کرتا ہے کہ اس نے کن حالات میں اس جہان رنگ و بو میں آنکھیں کھولیں۔ کس طرح وہ طفل شیر خوار سے لڑکپن کی منزل میں داخل ہوا۔ اس کا زمانہ طالب علمی کیسے بسر ہوا۔ عروس شہاب نے کیونکر اسے خوش آمدید کہا۔ زندگی کی کامرانیوں اور کامیابیوں نے کیسے اس کا خیر مقدم کیا۔ ان کے ساتھ تلخیاں، محرومیاں، ناکامیاں کیسے اس کی راہ میں سنگ جائے گراں بن کر حائل ہوئیں اور کس طرح وہ اس گرداب بلا سے اپنی کشتی حیات کو بچاتا ہوا نکلا۔ زندگی میں کن آدمیوں سے اس کا سابقہ پڑا اور ان کے متعلق اس کی آراء اور تاثرات آج کیا ہیں۔ اس زمانے کا طرز معاشرت، صحت اور رہن سہن کیسا تھا رسم و رواج کی کیا کیفیت تھی۔"[۱]

خطۂ بہاول پور علم و ادب و تصوف میں اپنی ایک خاص پہچان رکھتا ہے۔ اس سرزمین کے اہم آپ بیتی نگاروں میں منشی دولت رائے، مرزا اختر، منشی محمد انور فیروز، مولوی محمد حفیظ الرحمن حفیظ، نور محمد مہاروی اور نواب محمد صادق خان کا نام سرفہرست ہیں۔ ان آپ بیتیوں میں زندگی کے تجربات و واقعات کو بیان کیا گیا۔ عہد حاضر میں زاہد علی واسطی، مسعود حسن شہاب، اسد علی احمد، مہر محمد بخش نول اور ادریس احمد آفتاب کے نام سرفہرست ہیں۔:

> "خود نوشت سوانح حیات ادب کی وہ تخلیقی صنف ہے جو کسی فرد واحد کی زندگی کے اہم ادوار پر محیط ہوتی ہے اور اس کے قلم کی رہن منت ہوتی ہے۔ جس کے آئینے میں اس فرد کی داخلی اور خارجی زندگی کا عکس براہر است نظر آتا ہے اور اس کا عہد بھی جلوہ گر ہوتا ہے۔"[۲]

زاہد علی واسطی پیشے کے اعتبار سے ڈاکٹر ہیں۔ وہ بہاول پور میں میگزین سیکرٹری اور پھر دو سال تک میڈیکل کالج کے میگزین سیکرٹری رہے۔ ۱۹۶۴ء میں پوسٹ گریجویشن کیا۔ ۱۹۶۷ء میں نشتر کالج ہسپتال میں ضرار لمام میں بطور ڈپٹی رہے۔ ۱۹۶۱ء میں تحصیل ہسپتال رتوڈیرو ضلع لاڑکانہ میں تعینات ہوئے ۱۹۶۱ء میں رورل ڈسپنسری کے انچارج کی حیثیت سے تعینات ہو کر اپنی خدمات سرانجام دیں۔ ۱۹۶۴ء میں منٹگمری میں آئے۔ ۱۹۷۳ میں ایم کیا ۱۵ اگست ۱۹۸۲ء کو حج کا فریضہ سرانجام دیا۔ سید زاہد علی واسطی نے قرآن پاک کی کتابت بھی کی۔

زاہد علی واسطی نے مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا۔ ان کی اہم تصانیف میں "سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولادت ہجرت تک"، "سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت سے رحلت تک"، "اعزازات رسول"، "طب نبوی دور جدید میں"، "اسوہ حسینؓ"، "روشنی کا سفر"، "زندگی تابندگی"، "دیکھ لیا ملتان"، "جا تیرا امریکہ دیکھ لیا"، "بیتی یادیں" "خیابان مشہور"، "تنبیہ الزوجین"، "امہات المومنینؓ"، "قرآنی دعائیں"، "دنیا و مافیہا"، "سیدھے راستے کی تلاش"، "نوائے سروش"، "بہاول پور کی سرزمین"، "صبح استنبول شام دمشق"، "انسان کے ذہنی و جسمانی مصائب" اور "سو بڑے مسلمان" قابل ذکر ہیں۔

زاہد علی واسطی نے آپ بیتی "بیتی یادیں" میں اپنی زندگی کی کہانی کو نہایت خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔ انھوں آپ بیتی کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا، پہلے حصے میں اپنی بچپن کی یادوں اور گھریلو زندگی کے واقعات کو قلم بند کیا گیا ہے۔

> "خود نوشت سوانح میں مصنف کی شخصیت کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ اس کی زندگی کے وہ مختلف واقعات جو اس کے ظاہری اور باطنی زندگی کے درمیان کشمکش کا باعث ہوتے ہیں اس کا موضوع ہوتے ہیں جن کا تخلیقی اظہار کر کے جن میں حقیقت اور تخیل دونوں کی آمیزش ہوتی ہے۔ مصنف خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرتا ہے۔"[۳]

"بیتی یادیں" تجربات و واقعات، اُتار چڑھاؤ، ہجرت کا دکھ اور زندگی میں ہونے والے کئی واقعات کا مرقع ہے۔ ان کا انداز بیان انتہائی شگفتہ اور قاری کو اپنے سحر میں جکڑ لینے کا ہنر رکھتا ہے۔ تجسس کا ماحول کشید کرنے میں ان کی کوئی مثال نہیں۔ زاہد علی واسطی زندگی کے ہر گزرے وقت سے سبق حاصل کرتے اور آنے والی نسلوں کو اس سے سیکھنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ ان کے زمانے میں لوگ لالچ اور طمع جیسی برائیوں کو اپنے اندر جگہ دیتے اور سچائی و ایمانداری کی تصویر پیش کرتے نظر آتے ہیں۔ اپنے اچھے اخلاق سے دوسروں کے دلوں میں گھر کر جانا اس زمانے کے لوگوں کی خاصیت تھی۔ زاہد علی واسطی کو بچپن سے ہی پاکستان و ہندوستان کے سیاسی رہنماؤں سے ملاقات کا موقع ملا، اس حوالے سے ایک موقع پر تحریر کرتے ہیں۔:

"کھانا بھی بمشکل انہیں کھانے دیا اور اسٹیشن پر قائداعظم کو دیکھنے کی تیاری شروع کر دی۔ گیارہ بجے تک وقت نہ جانے کیسے کٹا۔ جٹ پٹ چسٹر پہن کر یکے میں بیٹھ اسٹیشن پہنچ گئے۔" [۴]

زاہد علی واسطی ابتدا سے ہی قائدانہ صلاحیتوں کی حامل شخصیات کی عزت و احترام کرتے۔ جوانی سے ان کا اٹھنا بیٹھنا ان شخصیات سے ہوا جنہوں نے پاکستان سے اپنی محبت و خلوص کا ثبوت دیتے ہوئے لوگوں کے دلوں میں اپنا گھر بنالیا۔ وہ چاہے بچہ ہو یا بزرگ ہر عمر کے لوگ ان سے بے لوث محبت اور ان کی عزت کرتے ہیں۔ ہر ملک میں الیکشن سے پہلے ہی اقتدار میں آنے والے لیڈر عوام کے لیے مختلف جگہوں پر جلسے اور جلوس منعقد کراتے ہیں اور اپنے جوش و جذبہ عوام کے سامنے پیش کرتے ہیں تاکہ ان کے جذبوں سے متاثر ہو کر انہیں اقتدار میں آنے کا موقع مل سکے۔ اس دور میں لوگ کسی کام کو بڑا چھوٹا نہ سمجھتے اور خوشی سے کام کرتے نظر آتے ہیں۔ زاہد علی واسطی نے اپنے ارد گرد ایسا ماحول بنا رکھا تھا کہ ملک کی سیاسی شخصیات سے محبت اور لگاؤ وقت کے ساتھ مزید پختہ ہوتا ہے۔ ہر شخص میں چند خوبیاں اور خامیاں ہوتی ہیں کچھ الگ کرنے کا ولولہ و شوق ہوتا ہے۔ اس طرح ہر شخص بھی دوسروں سے مختلف پہچان رکھتا ہے اس کے بولنے، لباس کے اوڑھنے کا انداز ان تمام چیزوں پر مشتمل ہے۔ پاکستان کے چند سیاسی لوگ بھی اپنی شخصیت سے اپنے چاہنے والوں کو گرویدہ بنا دینے کا ہنر رکھتے ہیں۔ اس حوالے سے منظر نگاری ملاحظہ کیجئے۔:

"ہم گلیوں گلیوں ریلوے روڈ پر پر ایک مکان کے آگے جا کر ٹھرے۔ مجھے بخوبی یاد ہے یہاں پہنچتے پہنچتے بادل اُمڈ آئے اور ٹھنڈی ہوا چلنے لگی اور بارش شروع ہو گئی۔ بیٹھک کھلی تھی۔ تین اور آدمیوں کے ساتھ میری منزل مراد "چوہدری رحمت علی" واسکٹ، قمیض اور پینٹ پہنے موجود تھے۔"[۵]

قدیم دور میں جاگیر دارانہ نظام ہی دیہاتوں میں قائم و دائم رہا اور بڑی خوش دلی سے لوگ ان کے ہر حکم کو نہ صرف مانتے بلکہ ان کے ساتھ اپنا تعلق استوار کرتے۔ زاہد علی واسطی پیشہ ور ڈاکٹر ہونے کے باوجود نیم حکیموں اور جاگیر داروں کی عزت و احترام کرتے ہیں۔ ڈاکٹر اور مریض کا تعلق ہمیشہ سے ہمدردانہ رہا ہے۔ انہیں اپنی زندگی میں سیاسی لیڈروں کے علاج کا بھی موقع ملا جو ایک اچھا تجربہ ثابت ہوا۔ آج کے دور میں سفر کرنا مشکل نہیں مگر قدیم دور میں یہ کٹھن مرحلہ تھا۔ اس کے برعکس سیاسی لوگوں کا اُس دور میں بزنس کلاس کی سیٹیں اور علیحدہ سیلون لینا عام وطیرہ تھا۔ ان کے قریبی لوگ بھی کچھ کم آسائش نہ تھے بلکہ لیڈروں جیسی زندگی گزارتے تھے۔ زاہد علی واسطی کو اپنے دور میں سیاسی شخصیات کے ساتھ منسلک افراد کا بھرپور آسائش زندگی گزارتے ہوئے دیکھنے کا موقع ملا۔:

"غالباً جنوری 1966ء ہی کا ذکر ہے کہ ایک شام خیبر میل سے ملتان آنے کے لیے اسٹیشن آئے تو اچھا خاصا رش تھا۔ جگہ کی تلاش میں ادھر ادھر بھاگا تو ایک جانی پہچانی صورت نظر آگئی۔ یہ ذوالفقار علی بھٹو صاحب کا ملازم خاص تھا۔ جس سے رتوڈیرو سے یاد اللہ تھی۔ ملازم اپنے ڈبے میں لے گیا جو ایک سیلون سے ملحق تھا۔ معلوم ہوا کہ کہ مٹھو صاحب اسی سیلون میں سفر کر رہے ہیں۔"[۶]

خانہ کعبہ مسلمانوں کے لیے بہت اہم ہے۔ یہ وہ مقدس سرزمین ہے جہاں ہمارے نبی ﷺ پیدا ہوئے۔ خانہ کعبہ عظیم جگہ ہے جو اللہ کی عبادت کے لیے روئے زمین پر سب سے پہلا گھر یہی مقام بنا۔ مسلمان اس کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے ہیں۔ ہر سال لاکھوں لوگ حج کی ادائیگی کا فریضہ سرانجام دینے اس مقدس مقام کی طرف سفر کرتے ہیں۔

دنیا کا ہر نظام اپنی کچھ حدود قائم رکھے ہوئے ہے۔ ہر شے ہر ادارہ اپنے اندر کچھ اصول و ضوابط رکھتے ہوئے ان کی پیروی کو ضروری قرار دیتا ہے۔ اللہ نے تمام کائنات کو ایک نظام کے تحت ان کی حدود میں قائم کر رکھا ہے۔ کسی بھی ملک میں ایسے کچھ حدود ہوتی ہیں جن پر فرد کا عمل کرنا لازم ہوتا ہے۔ اس سے تجاوز کرنا اس کی سزا کا موجب بنتا ہے۔ زاہد علی واسطی کے ساتھ عمرہ کے موقع پر ایک واقعہ پیش آیا۔:

> "مدینہ منورہ پانچ کلو میٹر رہ گیا تھا۔ پولیس چیک پوسٹ پر گاڑی روکی۔ چیکنگ ہوئی۔ ہیر ئیر اٹھایا اور جدھر مدینہ منورہ کی صاف شفاف سڑک پر دائیں ہاتھ ٹریفک رواں دواں تھا اسے چھوڑ کر بائیں ہاتھ والی سڑک پر میاں صاحب نے گاڑی موڑلی۔ ہم نو وارد تھے کیا کہتے مگر آگے جا کر سڑک پر "اور کراس روڈ سائن بورڈ" پر نون مسلم مدینہ لکھا دیکھ کر ہم ضبط نہ کر سکے۔"[۷]

زاہد علی واسطی "بیتی یادیں" میں اشعار کا بر محل و موقع استعمال کرتے ہیں۔ وہ بچپن سے پاکستان سے محبت کرتے اور اپنے دور میں بچوں کو اکٹھا کر کے خوب نعرے لگاتے جو وطن سے والہانہ محبت کا ثبوت ہے۔ مختلف اشعار بھی پڑھتے اور وقت گزرنے کے باوجود ان کے ذہن میں اشعار موجود ہیں۔ اسی طرح انھیں نامور شخصیات کے دستخط لینے کا بے حد شوق رہا اور وہ ہر موقع پر ان کے دستخط لے کر اپنے پاس محفوظ کر لیتے تھے، ان میں ایک نام مولانا حسرت موہانی بھی شامل ہے جو ادب کا اعلی ذوق رکھتے تھے۔ زاہد علی واسطی کو ان سے ملاقات کا شرف اور آٹو گراف لینے کا موقع ملا۔:

> "عظیم انسانوں کی سوانح عمریوں کا مطالعہ نہایت عمدہ اور مستحسن جذبات کرتا ہے۔ انسان کی صحبت میں اپنی خوبیوں خامیوں اور اصلاحتوں کا اُن سے مقابلہ کرتا ہے اور اس طرح خود اعتمادی حاصل کرتا ہے۔ ان کی لغزشوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ جذباتی انتشار سے نجات حاصل کرتا ہے۔ اور ان کے نیک ارادوں اور عمل کے صحت مند اخرات کی مد نظر خود ہی اپنی زندگی کو اعلی تر مقاصد خدمتو اصلاح کے لیے وقف کر سکتا ہے [۸]"۔

زاہد علی واسطی خاندانی رئیس تھے، انھیں ہر قسم کی سہولیات میسر تھیں مگر ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آنے کے بعد وہ تمام سہولتیں نہ رہیں بلکہ زاہد علی واسطی عام سی زندگی گزارنے پر مجبور ہو گئے۔ ان کے والدین بے بسی کی تصویر بن چکے تھے۔ زاہد علی واسطی دلیری سے ان تمام مشکلات کا سامنا کیا۔

انسانی فطرت ہے کہ وہ اپنے تجربات و مشاہدات سے مسلسل سیکھتا ہے آج کا تجربہ مستقبل کے لیے سبق بن جاتا ہے۔ زاہد علی واسطی بھی اپنی زندگی میں واقعات سے سبق حاصل کرتے ہیں اور دوبارہ وہ کام کرنے سے گریزاں نظر آتے ہیں وہ دوسروں کو بھی اس سے سبق سیکھنے کی تلقین دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر۔:

تیرے باطن کو ہے توفیق الٰہی سے بھی راہ
منع وہ جس بات کو کر دے اسے حاشا نہ کر[۹]

دنیا میں انسان کو اہمیت اس کے عہدے، اچھی ملازمت کے معیار کو سامنے رکھ کر دینے کا رواج ہے۔ اس کی عزت و وقار میں اضافہ اس کے اوقات کو دیکھ کر کیا جاتا ہے۔ یہاں اپنے عہدے سے ریٹائر ہوا اور وہی اس کی عزت و قار میں واضح تبدیلی دیکھنے میں آتی ہے۔ زاہد علی واسطی کے عہد زمانہ میں ایسی مثالیں جابجا ملتی ہیں۔

پاکستان میں ہمارے سربراہوں سے لے کر چپڑاسی تک وقت کی قدر نہ کرتے نظر آتے ہیں۔ وقت کی قدر نہ کرنے والی قومیں ہمیشہ ناکامی کا سامنا کرتی ہیں۔ ہمارے ملک میں وقت کی قدر نہ کرنے کی مثالیں ہمارے ملک کے حکمرانوں سے ہی مل جاتی ہے جو چند لمحوں کی تقاریر یا خطاب کے لیے لوگوں کا پورا دن ضائع کر دیتے ہیں۔

زاہد علی واسطی مختلف آزمائشوں میں گرفتار ہوئے مگر ساتھ ہی ہمت و حوصلہ سے کام لے کر دوسروں کے لیے مثال بنے ہیں، وہ صبر و شکر کے کلمات منہ سے نکالتے ہیں نیز انھیں چند ایسے لوگ بھی میسر آئے جو ہر موقع پر انہیں ہمت دیتے اور زندگی کی مشکلات میں ان کی ڈھال بنتے رہے۔ ایسے لوگ ان کے لیے کسی نعمت سے کم نہ تھے۔:

> "انسان اپنے جن تجربات کو فراموش کر چکا ہوتا ہے در حقیقت وہ بھولے نہیں ہوتے بلکہ وقتی طور پر اس کے شعور کے نیچے دبے ہوئے ہوتے ہیں۔ ہمیں کیونکہ انہیں سے انسانی طرز عمل کی ساخت معین ہوتی رہتی ہے ۔اگر یہ منفی رنگ اختیار کر جائیں تو دماغی عوارض اور نفسیاتی الجھنیں اسے چاروں جانب سے گھیر لیتی ہیں۔ انسانی نفس کے عمق میں جو لاشعور کی طاقتیں کار فرما ہیں وہی اس کی ذات، شخصیت اور طرز احساس اور اس کے مطابق اعمال کے رخ کو متعین کرتی ہیں۔"[۱۰]

زاہد علی واسطی مغرب کی تہذیب و ثقافت، معیار زندگی، خواتین کا بے پردہ نمود و نمائش کر کے غیر مردوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا، جیسے معاملات سے بیزار اور اس تہذیب سے بیزار نظر آتے ہیں۔ انہیں مغربی تہذیب و کلچر سوچنے پر مجبور کرتی ہے کہ وہ اس معاشرے کا گہرائی و باریک بینی سے مشاہدہ کریں جہاں شرم و حیا کے پردے اُٹھ چکے ہیں۔ مرد و خواتین بے باکانہ بے حیائی کرتے پھرتے ہیں۔ زاہد علی واسطی اپنی معاشرے کی تہذیب و کلچر کو مغرب کی تہذیب و کلچر پر فوقیت دیتے ہیں۔

قدرتی مناظر انسانی رہن سہن کے لیے باعث سکون اور لطف اندوزی کا سامان ہیں۔ اللہ نے انسان کو اس دنیا میں بھیجنے سے پہلے اس کو سجایا، یہاں پھول و سبزہ، درخت پرندے اور دیگر لوازمات سے آراستہ کیا تاکہ ان حسین مناظر کو دیکھ کر انسان محظوظ ہو سکے اور اپنی تفریح کا ذریعہ بنا سکے۔ آج بھی لوگ اپنی ذہنی تسکین اور سیر و تفریح کے لیے پہاڑی علاقوں کا سفر کرتے ہیں۔ زاہد علی بھی قدرت کے ان حسین مناظر سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

مسجد اللہ کا گھر ہے مسلمانوں کے لیے یہ جگہ مقدس و بابرکت ہے جہاں مسلمان پانچ وقت اپنے اللہ کے حضور حاضری دیتے ہیں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔ قدیم دور میں بھی مساجد بڑی دلکش انداز میں بنائی گئیں، ان کی دیواروں پر نقش و نگار کیا جاتا، کشادہ اور وسیع طرز کی مسجدیں دیکھنے میں آتی ہیں۔ آج کے دور میں جگہ کمی کی وجہ سے مساجد محدود پیمانے پر تعمیر کی جانے لگی ہیں۔ زاہد علی واسطی کے عہد میں شاہی مسجد کے حوالے سے لکھتے ہیں۔:

"روایتی مساجد کی طرح شاہی بابری مسجد کی کرسی اونچی نہیں تھی۔ مسجد کے احاطے کی مشرقی دیوار میں داخلی راستہ تھا۔ داخل ہو کر دائیں بائیں چند کمرے تھے جو رام چندر اور سیتا کے پُتر (متبرک) مقام کہلاتے تھے۔ اگر آپ دائیں بائیں نہ مڑیں اور سیدھے چلے تو پھر ایک دیوار آتی تھی جو مسجد کے صحن کی دیوار تھی یہیں سے مسجد شروع ہوتی ہے۔"[۱۱]

زاہد علی واسطی ہندوستان میں پیدا ہوئے مگر قیام پاکستان کے بعد تمام مسلمانوں کی طرح ان کے گھر والوں نے بھی پاکستان کی طرف ہجرت کی۔ وہ ایک پڑھے لکھے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور ہندوستان میں وسیع گھر میں رہائش پذیر تھے اور گھر میں تمام سہولتیں میسر تھی مگر ہجرت کے بعد اپنا تمام ترمال اس سرزمین کے پر چھوڑ آئے اور مستقل پاکستان کے باسی بن گئے۔ یہاں ایک گھر میں رہائش اختیار کی، منظر نگاری ملاحظہ کیجئے۔:

"اندرون شہر ایک لمبا سا بازار تھا۔ جو ایک سینما رام ٹاکیز سے شروع ہو کر سرائے چوک پر ختم ہوتا تھا۔ سرائے چوک میں گھنٹہ گھر تھا۔ یہاں سے دائیں ہاتھ مڑیں تو سڑک پر ہمارا مکان آجاتا تھا۔ یہ محلہ ٹاسمن گنج کہلاتا تھا۔ مکان کیا تھا۔ بڑی سی حویلی تھی۔ صحن میں ڈیوڑھی سے داخل ہوں تو بائیں ہاتھ لمبی سہ دری تھی جس میں اندر کے رخ چار وسیع کمرے تھے۔ صحن کے دوسری جانب باورچی خانہ، غسل خانہ، اور بیت الخلاء تھا۔ سامنے کے رخ دو دلان تھے جن کے اندر کئی کمرے تھے۔"[۱۲]

بعض چیزیں انسانی عقل کو دنگ کر دیتی ہیں اور وہ سوچ و بچار کے بعد بھی اس حقیقت کو قبول کرتے ہوئے شش و پنج میں مبتلا دکھائی دیتا ہے۔ زاہد علی واسطی کے عہد میں کچھ ایسے مافوق الفطرت واقعات ہوئے جس سے انسان حیرت میں ڈوب جاتا ہے۔ قدیم زمانے میں بچے چھتوں پر کھیلتے، درختوں سے جھولا جھولتے، ان کا بچپن ان چیزوں کے گرد گھومتے گزر جاتا۔ زاہد علی واسطی اپنے بچپن کے حوالے سے رقمطراز ہیں۔:

"پچھلے صحن میں گھنے پیپل کے درخت کی ٹہنیوں کو پکڑ کر ہندوؤں کی چھتوں کو ہم پھلانگتے ہم ماموں لیاقت کی چھت پر پہنچ جاتے یہ چھت تھی جس کو وہ اپنے کبوتروں کے ڈربوں اور کبوتر اڑانے کے لیے استعمال کرتے۔" [۱۳]

زاہد علی واسطی کو ایسے لوگوں سے ملنے کا موقع ملا جو پرہیز گاری کی زندگی گزارتے ہوئے اللہ کی خاص عنایت سے بہرہ مند تھے۔ اس کی بدولت موت کو قریب سے دیکھنے کے بعد بھی ان کا ایمان مزید مضبوط ہوتا نظر آتا ہے۔ ایسے لوگوں کا موت کو قریب سے دیکھ کر بچ جانے کو کسی معجزے سے کم نہیں سمجھتے وہ اس سے متاثر ہوتے ہیں اور خدا کی اس خاص مہربانی سے دوسروں کو بھی اللہ کے قریب ہونے کی ترغیب دیتے ہیں کہ اصل کامیابی اس ذات پاک کے ہر حکم پر عمل کرنے میں ہے۔

زاہد علی واسطی مغربی ممالک کے ماحول و معاشرت پر غور و فکر کرتے ہیں اپنے اردگرد کے ماحول، لوگوں کی دلچسپی سے آگاہ تھے۔ اس طرح ابتدائی زمانے سے ہی ان کے اندر تلاش و جستجو، جانچ پرکھ کا عنصر موجود تھا۔:

"پاکستان چوک سے بندر روڈ پر واقع ڈاو میڈیکل کالج کو ملانے والی ایک سڑک آرام باغ روڈ ہے۔ اس سڑک پر دو فرلانگ پیدل چلتے تو بندر روڈ کا چوراہا آجاتا جہاں ہمارا کالج تھا۔ چوراہے سے چند قدم پہلے بائیں ہاتھ ہمدرد دواخانہ کا بورڈ آویزاں تھا۔"[۱۴]

بارش اللہ کی رحمت ہے اور یہی بارش اگر مسلسل جاری رہے تو سیلابی صورتحال اختیار کر لیتی ہے۔ جس سے ملکی نظام درہم برہم، فصلیں تباہ و برباد، ہو جاتی ہیں اور گلیاں کوچے نہر کی تصویر پیش کرنے لگتے ہیں۔ زاہد علی واسطی کے عہد میں بھی بارشیں مسلسل سے کئی طرح کی پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑا۔:

> ''دو سال بعد علی گڑھ میں طوفانی بارشوں کا ریلا آ گیا۔ جمعرات سے جو بارش کی جھڑی لگی تو اگلی جمعرات تک نہ ر کی۔ گلیاں سڑکیں پانی سے بھر گئیں۔''[۱۵]

زاہد علی واسطی نے ''بیتی یادیں'' میں مکالماتی انداز اپنایا ہے۔ ان کے عہد میں لوگ ملنسار، پر خلوص اور اخلاق کی دولت سے مالامال تھے۔ آج کے لوگوں سے کئی گنا زیادہ احساس لوگ وقت کی گرد میں دھندلا گئے۔:

> ''اس وقت کی راولپنڈی اور آج کی راولپنڈی میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ وہاں کے لوگ ملنسار ،خوش اخلاق، ہمدرد اور بے غرض تھے۔''[۱۶]

قیام پاکستان کے بعد ہجرت کرنا بھی لوگوں کے لیے ایک کٹھن مرحلہ تھا۔ مہاجر محض اپنی جان بچاتے ہوئے ریل گاڑی میں بیٹھ گئے۔ اپنے گھر سامان سے بھرے ہوئے چھوڑنے پر مجبور تھے۔ اسٹیشن پر لوگوں کا ایسا ہجوم جو ختم نہ ہونے والا تھا۔ ٹرین کی اندرونی حالت بھی کچھ مناسب نہ تھی۔ لوگ سانس تک دشواری سے لے رہے تھے۔ زاہد علی واسطی کو ایسی تمام صورت حال اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا تجربہ ہوا۔

بعض لوگ اپنی اعلیٰ قابلیت سے اپنے منفرد کام کی بدولت اپنے ملک کا نام روشن کرتے ہوئے دوسروں کے لیے مثال بن جاتے ہیں، وہ اپنی اس ہنر مندی سے صدیوں زندہ رہتے ہیں۔ ان میں ایک نام حکیم محمد سعید ہے جو مختلف النواع اداروں کے کلید بردار تھے۔ انہوں نے ملک میں کئی طرح کے کام سرانجام دیئے۔ مختلف شہروں میں مطب کھول کر عوام کی مدد کی نیز ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن بزم جیسے کام کیے مگر ان کی موت نے سب کو دلی طور پر غم زدہ کر دیا۔ ایسی ہمہ جہت شخصیت دشمنوں کی گولی کا نشانہ بن کر اس دار فانی سے کوچ کر گئی۔ زاہد علی واسطی برسوں سے ان کی بے لوث محبت و شفقت کو یاد کرتے ہوئے آب دیدہ ہو جاتے ہیں۔:

> ''شخصیت نگاری ـــــــ اب ایک فن نہیں بلکہ ایک سائنس بھی ہے۔ ماحول اور وراثت کے بغیر شخصیت نہیں بنتی چنانچہ دور حاضر کا سوانح نگار اپنے یا دوسروں کے سوانح حیات اس طرح مرتب کرتا ہے کہ قارئین سمجھ سکیں کہ مناسب سوانح کس حد تک وراثت کا مثبت پذیر رہا اور کس حد تک ماحول کا احسان مند۔''[۱۷]

زاہد علی واسطی نے مختلف ممالک کا سفر کیا جن میں مشہد، مراکش، دمشق، بغداد، استنبول، غرناطہ جیسے قدیم تاریخی مقامات کی سیر و تفریح کی وہیں ان کی خوبصورتی، دلکشی، نقش و نگار اور تاریخی اہمیت سے آگاہ کیا۔ انہوں نے بغداد کے قدیم مقبرے بھی دیکھے جہاں علم و فضل اور زہد و تقوی کے امین ابدی نیند سو رہے ہیں۔ یہ بڑی مقدس جگہ ہے کیونکہ علم کے ان چراغوں کو شہید ہونے کے بعد اس سرزمین میں مدفن کیا گیا ہے۔:

"چونکہ بغداد صدہا سال تک علماء، اولیاء، مجاہدین اور شہداء کا مرکز رہا اور نہ جانے اسی قبرستان میں کس قدر علم و فضل، زاہد و تقوی کے کیسے کیسے آفتاب و ماہتاب محو خواب ہیں ۔"[۱۸]

زاہد علی واسطی نے بچپن، جوانی، اپنی تعلیم اور ملازمت جیسے پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ ان کے خاندانی کے لوگوں، ان کے بزرگوں کی تفصیل پیش کرتی ہے۔ انہوں نے چند ایسے واقعات تحریر کیے جو حقیقی زندگی پر مبنی تھے۔ مگر انسانی سوچ کو حیرت میں ڈال دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ مختلف علاقوں، ممالک کی سیر و تفریح، خانہ کعبہ کی زیارت کا سفر ان کی "آپ بیتی" میں تفصیل سے موجود ہے۔ ان کی سوچ و بچار کا انداز ہمارے سامنے آتا ہے، ان کے بچپن کی عظیم سیاسی شخصیات سے ملاقاتیں تمام تر حقیقتوں کو قارئین کے سامنے لاتے ہیں۔ چند مافوق الفطرت واقعات جو انہوں نے اپنے بچپن کے حوالے سے تحریر کیے اور دوسروں کے ساتھ ہونے والے واقعات کو نہایت خوبصورتی سے قلم بند کیا ہے۔:

"آپ بیتی ہر ایرا غیرا نہیں لکھتا۔ اس کا مصنف ہمیشہ نمایاں شخصیت کا مالک اور صاحب کمال ہوتا ہے۔ یہ کام ضروری نہیں کمال ادب ہو۔ سیاست، فوج، مصوری، نقاشی، کھیل کود غرض یہ کہ زندگی کے کسی بھی شعبہ میں ممکن ہے۔"[۱۹]

زاہد علی واسطی نے مختلف اشعار اور انگریزی الفاظ کا استعمال کیا۔ آپ بیتی میں منظر نگاری اس قدر جاندار ہے کہ وہ شخصیت ہو یا ماحول تمام تر جزئیات باریک بینی سے بیان کیے گئے ہیں۔ ان کے واقعات بیان کرنے کا انداز قاری کو اپنے سحر میں لے لیتا ہے۔ وہ نا صرف واقعات نگاری کے علاوہ ایک مورخ کا کردار بھی ادا کرتے ہیں۔ زاہد علی واسطی نے اپنے عہد کے تمام تر رنگ قاری کے سامنے پیش کر دیئے ہیں۔ "بیتی یادیں" ایک مکمل آپ بیتی کے معیار پر پوری اترتی ہے۔ اسے جدید دور کی بہترین آپ بیتی کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا۔

حوالہ جات

۱۔ عطا الحق، پاپ بیتی، نیو لائن پرنٹر پبلیشر، ڈسٹری بیوٹر، لاہور، فلیپ

۲۔ ڈاکٹر وہاج الدین علوی، "اُردو میں خود نوشت سوانح فن و تجزیہ"، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، دہلی، 1989ء ص:۴۱۔

۳۔ ڈاکٹر مظہر مہدی حسین مشمولہ، بیسویں صدی میں اُردو ادب، دہلی، ساہتیہ اکادمی ۲۰۰۲ء، ص:۳۳۵۔

۴۔ زاہد علی واسطی، سید، ڈاکٹر، "بیتی یادیں"، جاوید اکیڈمی، چہلیک ملتان، س ن، ص:۲۷۔

۵۔ ایضاً، ص:۴۵۔۴۶۔

۶۔ ایضاً، ص:۸۷۔

۷۔ ایضاً، ص:۲۴۔

۸۔ سید شاہ علی۔ ڈاکٹر، "اردو میں سوانح نگاری"، کراچی گاڈ پبلشنگ ہاؤس، جولائی ۱۹۶۱ء، ص:۳۲۹۔

۹۔ زاہد علی واسطی، سید، ڈاکٹر، "بیتی یادیں، ص:۶۵۔

۱۰۔ جمیل احمد عدیل، "سیاق و سباق"، امیر پبلشرز، لاہور، جلد اول، ۱۹۹۵ء، ص:۵۰۔

۱۱۔ زاہد علی واسطی، سید، ڈاکٹر، "بیتی یادیں"، ص:۵۰۔

۱۲۔ ایضاً، ص:۱۰۵۔

۱۳۔ ایضاً، ص:۱۰۶۔

۱۴۔ ایضاً، ص:۱۱۲۔

۱۵۔ ایضاً، ص:۱۱۲۔

۱۶۔ ایضاً، ص:۳۲۱۔

۱۷۔ یوسف جمال انصاری، "آپ بیتی اور اس کی مختلف صورتیں"، نقوش، ص:۹۷۔

۱۸۔ زاہد علی واسطی، سید، ڈاکٹر، "بیتی یادیں، ڈاکٹر، ص:۳۳۔

۱۹۔ ڈاکٹر صبیحہ انور، اُردو میں خود نوشت سوانح عمری حیات، نامی پریس، لکھنو، ۱۹۸۲ء ص:۳۱۔